فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۶ شمارہ: ۲،۱

اسلام میں تعلیم کے بنیادی تصورات☆

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی

(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم) کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

حضرات رسول اکرم ﷺ تک جو پہلا خدائی پیغام آیا اس کی تلاوت ابھی میں نے آپ کے سامنے کی۔ پہلی سورہ کی یہ پانچ آیتیں حضرت جبرائیل علیہ السلام لے کر غار حرا کی خاموشی میں آئے اور دنیا کی شب تاریک سحر ہو گئی۔ روایات کی تاریکیوں کی جگہ علم کی روشنی نے لے لی۔ زندگی جو طلسم فلاطون تھی ایک سنگین حقیقت بن گئی۔ خدائے بلند و برتر نے اس مدینۂ علم کی تخلیق کی جس کی وسعتوں نے جہالت و جاہلیت کو تمدن و ثقافت کے نقوش میں بدل دیا۔ اندھیروں میں علم کی پہلی کرن طلوع ہوئی اور صحرائے عرب کے ذرے اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا اٹھے۔ نور کا یہ سیلِ تمدن آموز کائنات انسانی کے ہر گوشے تک پہنچ گیا۔ یہ روشنی اور علم صرف خارجی دنیا کے لیے وجہ انقلاب نہ بنا بلکہ انسان کا ذہن بھی منور ہو گیا۔ اس کی وحشی جبلتیں رام ہو کر انسانیت و تمدن کے تزئین و آرائش میں مصروف ہو گئیں۔

ان پانچ آیتوں پر غور کیجئے، خالق کائنات نے پہلے تخلیق کائنات کا ذکر کیا...... اور اس فضا کو انسان کی تخلیق سے معمور کر دیا ورنہ کائنات کا عظیم اسٹیج اپنے مرکزی کردار سے محروم رہتا اور پھر خدا نے اپنے کرم سے انسان کو لامحدود قوتیں بخشیں اور ان قوتوں کو علم نے جلا دی۔

علم جو پہلے روایات کا سفینہ تھا، قلم کی مدد سے بنیاد مستحکم بن گیا۔ پھر کائنات کے پردے اٹھتے گئے اور انسان حقیقتوں سے قریب تر ہو گیا۔ وہ باتیں سیکھ گیا جو نہیں جانتا تھا۔

جو کچھ انسان سیکھتا گیا اس میں ترتیب و تنظیم پیدا کرتا گیا۔ اس کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ جب ہم آہنگ ہوئے تو عمرانی اور طبعی علوم کے چمن مسکرا پڑے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ انسان کے علوم

☆ اساتذہ ''کلیات''، کراچی کانفرنس، ۱۹۶۰ء

کے دائرے بڑھتے جا رہے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا آغاز ہی علم کے حقیقی اور گہرے شعور سے ہوتا ہے۔

اب ذرا گردشِ دوراں سے بے نیاز ہو کر خلافت انسانی پر ایک نگاہ ڈالئے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ''علم'' ہی وجہ خلافت ہے۔

علم کے بارے میں میں نے یہ اشارے اس لیے کئے تاکہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ انسانی عظمت و کرامت کی بنیاد خدائے بلند و برتر نے علم پر رکھی ہے۔ علم پر جب بھی روایات کے پردے پڑے، تقلید آباء نے احکام خداوندی کی جگہ لی تو انسانیت گمراہ ہوگئی اور خدا نے کسی دوسرے پیغمبر کو انسانوں کی طرف بھیجا۔ پیغمبروں کا مقصد علم کو پھیلانا، لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھانا، حقیقتوں کو ظاہر کرنا اور اخلاق کی تکمیل تھا۔ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ اسی لیے آپ مُعلمِ اعظم ہیں۔ اس عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ کی حکمت اور آپ کا علم عالم گیر بھی ہے اور وقت کے دائروں سے بالاتر بھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا **''انما بعثت معلما''** یعنی مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا۔

ان چند تمہیدی خیالات کے بعد ذرا آج کی دنیا کے ترقی یافتہ تعلیمی نظام پر نگاہ ڈالئے۔ ہمارا یہ دور پرنٹنگ پریس، رسالوں اور کتابوں کا دور ہے۔ کسی ترقی یافتہ زبان کی تحصیل کے بعد علوم و فنون کے دروازے ہم پر کھل جاتے ہیں۔ ہم اپنے طور پر علم حاصل کر لیتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''پھر کالج اور یونیورسٹیاں کیوں قائم کی جاتی ہیں؟ طلباء مخصوص دانش کدوں اور دانش گاہوں سے اپنی وابستگی پر نازاں کیوں ہوتے ہیں؟ اساتذہ کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوالات بڑے اہم ہیں۔ ان سے ہمارا علمی اور تمدنی مستقبل وابستہ ہے۔ مشہور مفکر پروفیسر وائٹ ہیڈ نے بڑے واضح اور مضبوط طریقہ پر ان سوالوں کو حل کر دیا ہے۔ ان کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ تعلیمی ادارے طلباء کے ذہن پر اپنی مہر لگا دیتے ہیں۔ ان اداروں کی ایک مخصوص فضا ہوتی ہیں اور اس فضا کے خالق معلم اور اساتذہ ہوتے ہیں۔ یہ ایک بڑی حقیقت کا اظہار ہے۔ معلم، طلباء کو کتاب خوانی کی منزل سے بلند کر کے اپنی شخصیت کے اثر سے زندگی کا رازداں بنا دیتے ہیں اور پھر معلم صرف کلاس روم ہی میں معلم نہیں ہوتے بلکہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی جب وہ معلم نہ رہتے ہوں۔ طلباء ان کے افکار و خیالات حتیٰ کہ چال ڈھال سے متأثر ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کے اساتذہ جن کتابوں کو عظیم کہتے ہیں۔ ان کتابوں کے خیالات، ان کے اعمال کے

قالب میں ڈھلے یا نہیں؟ اگر معلم کی نظری تعلیم اور اس کی عملی زندگی میں فرق ہوتا ہے تو طالب علم مایوس ہوجاتے ہیں۔ علم لباس نہیں جسے ہم اپنے ادنیٰ مفادات کے لئے اتار پھینکیں اور وحشی بن جائیں۔ حقیقی علم تو خون بن کر ہمارے وجود میں گردش کرتا ہے۔ بقول پیر رومی۔

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود

اس معیار کے مطابق اگر آپ معلمین عالم کو پرکھیں تو شدید مایوسی ہوگی۔ فرانسس بیکن جس سے مغرب کے فلسفۂ جدید کی ابتداء ہوتی ہے عملی زندگی میں بے حد غیر اخلاقی و غیر انسانی حرکات کا مرتکب ہوتا تھا۔ یونان کے فلسفی جو معلمین عالم میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں وہ بھی عملی زندگی میں اپنے نظریات سے بہت چھوٹے تھے۔ رہے شاعر تو ان کی پیروی کرنے والوں کو قرآن نے گمراہ کہا ہے اور اس کی وجہ بتا دی ہے، یعنی وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

میں نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ علم کے سلسلے میں معلم کی اہمیت پر ذرا غور فرمائیں۔ معلم کی ذمہ داریاں بیکراں ہیں۔ اس کے عمل کو علم کا مکمل پرتو ہونا چاہئے۔ یہ عمل انسانی معاشرے یا کم سے کم کسی درس گاہ میں ہی پروان چڑھ سکتا ہے۔ اس معیار پر صرف انبیائے کرامؑ پورے اترتے ہیں۔ خدا کے لیے تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ توریت، زبور، انجیل اور قرآن پاک پہاڑوں پر نقش کر دیتا لیکن یہ ساری کتابیں ہمیں پیغمبروں کے ذریعے ملی ہیں۔ اس بات کو بھی پیش نظر رکھئے کہ نزول وحی ہمیشہ بتدریج ہوتا ہے اور زندگی کے مختلف مراحل کے مطابق اور انبیائے کرامؑ نے خدا کے ہر حکم پر عمل کر کے اس کی عملیت کو ثابت کر دیا۔ حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ تاریخ کی روشنی میں جگمگا رہی ہے۔ یتیمی، غور و فکر، تلاش حق، نبوت، مکہ والوں کے مظالم، ہجرت مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تکمیل، جزیرہ نمائے عرب کا آپ کے قدموں پر جھک جانا۔ ان میں سے ہر منزل میں آپؐ نے وحی الٰہی کو عملی طور پر برتا اور اپنے عمل کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تاریخ کی نگاہوں نے ایسا معلم نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ کبھی دیکھ سکیں گی جو اپنے خدا اور اپنی تعلیم کی ایسی عملی تصویر اور تفسیر ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جب کسی عاشق رسولؐ نے کہا۔ ''حضور کی سیرت کا کچھ حال بتایئے؟'' تو انہوں نے فرمایا۔ ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟'' میں نے ابھی ابھی عرض کیا تھا کہ معلم کے لیے انسانی معاشرہ یا کم سے کوئی درس گاہ ضروری ہے۔ انسانیت کے معلم اعظم نے ایسے معاشرے کی تشکیل فرمائی اور اسے اپنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال دیا۔

آنحضرت ﷺ کی معلمانہ عظمت اور ہمہ گیری کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہمیں ایک اور بنیادی سوال پر غور کرنا ہے۔ وہ سوال ہے ''نظام تعلیم اور تعلیم کی نوعیت''۔ دنیا کی تعلیمی تاریخ خاصے تجربوں کے بعد موجود منزل تک آئی ہے۔ آج پوری دنیا میں کئی نظام تعلیم رائج ہیں۔

اشتراکی نظام تعلیم میں فرد کی خودی پوری طرح ابھر نہیں سکتی اور علم ہمیشہ اشتراکی نظریہ کے تحت ہوتا ہے۔ خواہ حقیقت اس کے برعکس کیوں نہ ہو لیکن روس نے اپنے تعلیمی نظام سے ترقی پذیر نوجوانوں کو اپنے اشتراکی نظام کے بہترین کارکنوں میں ضرور ڈھال دیا ہے۔ مشرق کے جو ملک غلام تھے ان پر آزادی کے بعد بھی غیر ملکی نظام تعلیم مسلط ہے جس کی ایک مثال ہمارا اپنا وطن پاکستان ہے۔ یہ نظام تعلیم شیروں میں روباہی پیدا کرتا ہے۔ شاہین بچوں کو فریب دے کر کرگس بناتا ہے اور باغی نوجوانوں کو کلرکوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اکبر نے ایک شعر میں دل خراش داستان پیش کر دی ہے: ؎

یوں قتل سے بچوں کے بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

مغرب کے بعض ترقی یافتہ ملکوں کا نظام تعلیم فرد کا احترام کرتا ہے۔ شخصیت کو کچلتا نہیں۔ تجربہ کی کسوٹی پر حقیقت کو پرکھنا سکھاتا ہے، ہر چھپے ہوئے امکان کا جائزہ لینے کا سبق دیتا ہے لیکن یہ نظام تعلیم بھی معاشرے میں ہمواری پیدا نہیں کرتا۔ خیروشر اور انسانیت کے نفع و ضرر کا کوئی قطعی معیار پیش نہیں کرتا، اسی لیے ابھی تک تجرباتی دور میں ہے۔

یہ ہوئی عملی صورت۔ جہاں تک نظریات کا تعلق ہے، نت نئے تعلیمی نظریے ہمارے دور میں پیش کئے گئے ہیں جن کے خاص نکات یہ ہیں۔

۱۔ تعلیم سے فرد کی صلاحیتیں ابھرنی چاہئیں۔

۲۔ تعلیم فرد کو اپنی قوم کا جزولاینفک بنا دے۔

۳۔ حقیقتوں کی تلاش تعلیم کا مقصد ہے۔

۴۔ تعلیم کو قومی روایات کا آئینہ ہونا چاہیے۔

۵۔ تعلیم ایسی ہو جو انسان کو تسخیر کائنات میں مدد دے۔

یہ ساری باتیں بڑی خوش آئند ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ جدید تعلیمی نظریے انسان کے لیے آئینِ حیات نہیں بن سکے اور ان سے آدم کو ثبات حاصل نہ ہو سکا۔ اسی لیے تسخیر کائنات کا عمل ہماری دنیا کو استحکام کی جگہ بربادی کی طرف لیے جا رہا ہے۔ آج تعلیم انسانی تمدن کی شیرازہ بندی نہیں کرتی، کیونکہ اس کی بنیاد عقل انسانی پر رکھی گئی ہے اور یہ عقل زمان و مکان کی اسیر بھی ہے اور خود غرض بھی۔ آج کا ذہن اپنے وطنی مفاد کے آگے سوچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ امریکہ کا ہر ماہر تعلیم کہتا ہے کہ ''حقیقتوں کی تلاش تعلیم کا مقصد ہے''۔ مگر امریکی قوم اشتراکی چین جیسی بڑی حقیقت کو مدتوں تسلیم کرنے سے انکار کرتی رہی۔

یہ سنگین صورت حال ساری دنیا اور انسانیت کے مستقبل کے لیے خطرہ کا سرخ نشان ہے۔ تعلیم ہی نئی نسل اور افکار تازہ کی اساس ہے، اور افکار تازہ سے جہان نور پیدا ہوتے ہیں۔

جب یہی اساس کج نگاہی و کج روی کی بنیاد بن جائے تو اندھیروں کے سوا ہمارے مستقبل میں کیا ہو گا؟

آیئے اب ہم دیکھیں کہ معلم اعظم حضرت محمد ﷺ کے ذریعے خدا نے ہمیں علم و حکمت کا کیا معیار اور تصور عطا کیا ہے؟ اس علم و حکمت کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس سے حال و مستقبل انسانیت کے کون کون سے مفادات عالیہ وابستہ ہیں؟ خدا کے تصور علم و حکمت کو معلم اعظمؐ نے عمل کے سانچے میں کس طرح ڈھالا؟ اور اس علم کے سہارے انسانی تمدن و معاشرت، فکر و تفکر کو کس طرح متأثر کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ عرفی معانی میں امی تھے اور وہ اس لیے کہ وحی الٰہی ان کے علم کا منبع اور سرچشمہ ٹھہرا۔ وہ ذرائع نہیں جن میں ظن اور گمان شامل ہیں۔ علم کے معانی ہی اسلام نے حقیقت کے قرار دیے۔ حقیقت کا ادراک علم ہے اور یہ علم ظن اور گمان کی ضد ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ جو ان پڑھ ہوتے ہیں وہ خیالات باطل کے سوا کسی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور ظن و گمان سے کام لیتے ہیں۔ اس تعریف کے پیش نظر فلسفۂ یونان، حکمتِ روما، دانش ہندی اور آگاہی چین کو علم کہنا ممکن نہیں۔ حقیقت تک رسائی علم کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ جاہلیت کا لفظ نور کے ساتھ ساتھ علم کی ضد بھی ہے۔ یوں علم نور ٹھہرا اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو ابوجہل کہا گیا، ابو الکفر نہیں۔

حضور ﷺ کے وسیلہ سے ہمیں یہ علم عطا کیا گیا کہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے، یہ کوئی سوانگ

یا ناٹک نہیں۔ یہ ضابطہ اور قانون کے تابع ہے۔ کائنات کے بالحق ہونا حقیقی علم ہے۔ اسی طرح علم کو خیروشر کا معیار قرار دیا گیا اور وحی الٰہی کو علم کہا گیا۔ یہی علم دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے اور حضور کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ کے عالم بندے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

علم وہ ہے جو انسان کو ظلمت سے روشنی کی طرف لائے۔ ''اللہ وہی ہے جو اپنے رسول پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اللہ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے''۔ (سورہ الحدید)

اللہ تعالیٰ اپنے دعووں کو علم کی بنیاد محکم پر پیش کرتا ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ ''اپنے احکام کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تمہیں علم ہو اور تم سوچو'' اور'' اگر تم سچے ہو تو قرآن کی ایک آیت کے مثل ہی کوئی چیز لے آؤ''۔

قرآن حکیم نے کفار کو یہی چیلنج کیا ہے کہ:

''ھاتوا برھان کم ان کنتم صادقین''

''تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو''۔

علم کے درجہ کا اندازہ اس سے کیجئے کہ شعور اور عرفان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں شامل نہیں فرمایا بلکہ ان منازل کو اپنے رسول کے مرتبہ سے بھی فروتر سمجھا اور حضور ﷺ کو ''عارف'' اور ''شاعر'' نہیں کہا، بلکہ شاعر ہونے کا اتہام تو مشرکین اور کفار نے لگایا۔ مومن کی زندگی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی ایک جھلک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم ہے اور اس نے اس علم کا جو حصہ ظرف بشر کے مطابق جانا اسے اپنے رسولوں اور بالخصوص رسول آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچایا۔ یوں رسول کے فرائض منصبی میں تعلیم سب سے نمایاں فرض بن کر ابھرتی ہے۔ یہ فرائض رسالت قرآن حکیم میں کئی مقامات پر پیش کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

''یتلوا علیھم اٰیتہٖ ویزکّیھم و یُعلِّمھم الکتٰب والحکمۃَ''

''رسول انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

''حکمۃ'' کی صفت معلم ربانی کے طریق کار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ وہی نکات وحی کو سننے والوں کی سمجھ اور احوال و کوائف کے مطابق پیش کرتا ہے۔ حکمت کے معانی ہیں ''بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے جاننا'' (لسان العرب) اور ''علم اور عقل کے ذریعے سچی بات تک پہنچنا''

(مفردات القرآن) خود حقیقت کو جاننے اور پہنچنے کے بعد معلم سچی بات کو اپنے طالب علموں تک پہنچاتا ہے۔ حضورﷺ نے یہ فریضہ کس طرح انجام دیا؟ اس کی شہادت آپؐ کے صحابۂ کرام کی زندگیاں ہیں۔ وہ لوگ جو صداقت، علم و حکمت اور خیر کے نمائندے اور علامت بن گئے۔

ہمارے معلم (ہمارے ماں باپ ان پر فدا ہوں) نے علم کو بلند ترین درجۂ عبادت تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے علم کی ایسی فضا قائم فرمائی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو تعلیم دینا قرار پایا۔ پہلی اسلامی یونیورسٹی مسجد نبوی کے ایک چبوترہ پر سائبان تلے قائم قائم کی گئی اور اس کے جلیل القدر طالب علم اصحابِ صفہ کے نام سے ہماری تاریخ کا ایک روشن باب بن چکے ہیں۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے کسی جگہ ایک نہایت دل افروز نکتہ بیان کیا ہے اور وہ کہ ہر چیز کا ایک سلسلۂ نسب ہوتا ہے جو اسے اعتبار عطا کرتا ہے۔ جس قربانی کا سلسلہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی قربانی سے جا کر نہ مل جائے وہ بے اعتبار ہے۔ اسی طرح جس جامعہ اور مدرسہ کا نسب مدرسۂ صفہ سے نہ ملتا ہو وہ نور اور علم کا گہوارہ نہیں ہو سکتا۔

ابھی یہ عرض کیا گیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے علم کو بلند ترین درجۂ عبادت تک پہنچا دیا۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

''من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له' طریقا الی الجنة''

''جو شخص علم کے حصول کے لئے سفر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ سہل بنا دے گا''۔

مشکوۃ کی ایک حدیث میں عمل رسولؐ اور قول رسولؐ دونوں موجود ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہﷺ مسجد نبوی میں آئے۔ وہاں دو جماعتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک جماعت ذکر و تسبیح میں لگی ہوئی تھی اور دوسری جماعت دین کے علم کے حصول میں مصروف تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ دونوں جماعتیں عمل خیر میں مصروف ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہیں۔ یہ لوگ جو ذکر الٰہی اور دعائے استغفار میں مصروف ہیں اللہ چاہے گا تو انہیں دے گا۔ نہیں چاہے گا تو نہیں دے گا۔ رہے دوسری جماعت والے جو علم کی تعلیم کر رہے ہیں اور جاہلوں کو پڑھا رہے ہیں افضل ہیں اور مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ اسی جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے''۔

اس حدیث سے نبی اکرمﷺ کے طریق تعلیم اور اس کی کامیابی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضورﷺ کی حیات طیبہ ہی میں وہ فضا پیدا ہوگئی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کو علم دینے لگیں۔ (ویسے صحابہ کرام کی زندگی کی معراج تو یہی تھی کہ خود ذات رسالت مآبؐ سے تحصیل علم و نور کرتے رہیں) طالب علموں کا اس درجہ پر پہنچنا معلم کی حقیقی کامیابی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمﷺ جب تحصیل علم کرنے والی جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے تو وہ اپنے عمل میں مصروف رہی۔ یوں معلم کی ایک اور حیثیت ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ ہے ممتحن کی حیثیت۔ حضورﷺ اس جماعت قدسی نفساں کے علم کا امتحان بھی لیتے رہتے تھے جسے آپؐ کے بعد علم رسالت کی میراث کو آنے والی نسلوں کی طرف منتقل کرنا تھا۔

حضورﷺ کی معلمانہ زندگی کا ایک اہم پہلو معلم اور طالب علموں کا رشتہ ہے۔ اس رشتہ کے کئی پہلو ہیں اور ان میں سب سے نمایاں پہلو حضورﷺ کی شفقت ہے۔ آپؐ کے رحم کا تو یہ عالم تھا کہ خود کفار کے لیے بے چین رہتے تھے کہ وہ اپنے کفر کے سبب خاسر اور نامراد رہیں گے اور اہل ایمان کے لیے تو آپ قرآن حکیم کے الفاظ میں ''رؤف رحیم'' تھے۔

صحابہ کرام آپؐ سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ آپ وضو کے پانی کو زمین پر نہ گرنے دیتے اور میدان جنگ میں پروانہ وار شمع رسالت کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں نثار کرتے اور اس محبت و عقیدت اور احترام کی بنیاد دوری پر نہیں بلکہ حد درجہ قربت پر رکھی گئی تھی۔ آپؐ محفل میں کسی امتیاز کے بغیر اس طرح تشریف فرما ہوتے کہ کوئی آنے والا اجنبی آ کر پوچھتا کہ ''تم میں سے محمدؐ کون ہے''۔

نبی کریمﷺ اپنے مخاطب اور طالب علم کی ذہنی استعداد، میلانات اور دوسرے تقاضوں کا لحاظ فرماتے۔ علم کو کبھی بوجھ نہ بننے دیتے۔ جب حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے کسی صاحب نے کہا کہ آپ ہر دن ہمیں وعظ و نصیحت فرمائیں تو انہوں نے جواب دیا۔

''ہر دن تقریر کرنے سے مجھے یہ خیال منع کرتا ہے کہ تم لوگ اکتا نہ جاؤ۔ میں وقفہ اور ناغہ دے کر وعظ و نصیحت کرتا ہوں جیسے کہ نبی کریمﷺ کرتے تھے اور آپ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ ہم لوگ کہیں اکتا نہ جائیں''۔ (بخاری و مسلم)

بخاری کی ایک اور حدیث سے جس کے راوی عکرمہؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ ہیں ہمیں یہ معلوم ہوتا

ہے کہ اگر لوگ کسی محفل میں گفتگو میں مشغول ہوں تو کسی اور واعظ اور معلم کو جا کر ان کی بات نہیں کاٹنی چاہئے۔ لوگوں کو تعلیم اس وقت دی جائے جب وہ خواہش علم رکھتے ہوں اور اسی طرح زبان آسان ہو، مقفیٰ مسجع، آرائشی اور بناوٹی نہ ہو۔

آج بھی کوئی معلم ان اصولوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ زبان کی آسانی موضوع پر معلم کی گرفت کا ثبوت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کے اسلوب تعلیم میں ''تکرار'' کے اصول کو بھی اہمیت حاصل تھی۔ آپ آہستہ لہجے میں بات کرتے اور کبھی کبھی سامعین کے فہم کے مطابق تین مرتبہ بات کو دہراتے۔ آثار و احادیث کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تکرار کے اس عمل میں آپ الفاظ میں جزوی تبدیلی فرما دیتے ہوں گے، کیونکہ ایک ہی مضمون اور موقع کی حدیثوں میں چند الفاظ کی تبدیلی مختلف روایتوں میں ملتی ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے سے حدیث کی روایت اور صحت پر یقین پختہ تر ہو سکتا ہے۔

اس مختصر مطالعہ میں اسلام میں علم کی وسعت کے بارے میں چند اشارے کئے گئے۔ آخر میں اس اجمال کی قدرے تفصیل مناسب ہو گی۔

اسلام کے تصور علم میں معرفت الٰہی، خیر اور کائنات کو سمجھنے اور خالق و مخلوق کے رشتے کی تفہیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم اور زندگی بسر کرنے میں رہنمائی کرنے والا علم یقیناً اولیت رکھتا ہے لیکن اسلام نے علم کو خانوں میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ اسلام زندگی کے کسی شعبے میں ثنویت کو نہیں مانتا۔ آج بدنصیبی سے ہم ''دینی'' اور ''دنیوی'' علوم کی تقسم میں یوں الجھ گئے ہیں کہ علماء دنیوی علوم کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور جامعات کے سند یافتہ ''کٹھ ملاؤں'' کے نام اور عنوان سے علماء کی تحقیر کرتے ہیں۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ نے انفس اور آفاق کی تمام نشانیوں اور حقائق کو حدود علم میں شامل کر دیا ہے۔

سورہ البقرہ میں آسمانوں کی پیدائش، زمین کی پیدائش، شب و روز کے ردوبدل، سمندروں میں جہازوں کے سفر، بارش اور بارش سے زمین کے زندہ ہونے اور حیوانات کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ کتنے ہی علوم کی زمرہ بندی ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے پہلی بار تاریخ کو ایک یقینی اور حقیقی علم کا درجہ دیا ہے۔ ایسا علم جس میں منفعت انسانی کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ اقوام سابقہ کے قصوں میں عقل والوں کے لئے بصیرت اور عبرت ہے۔

ولقد کان فی قصصھم عبرة لا ولی الالباب

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا

العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان

یہاں علم کی وحدت کے حوالہ سے اس کی دونوں بڑی شاخوں کا ذکر کیا گیا یعنی علم دو ہیں، دین کا علم اور علم ''ابدان'' کی اصطلاح کی معنویت آج کے عہد میں زیادہ آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے۔ آج ہم "bodies" کا لفظ مختلف علوم میں اہم اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہی مثلاً اجرام فلکی کے لئے ''Heavanly Bodies''

حضور ﷺ نے انسانیت کو وہ علم عطا کیا جو علم نافع ہے، جو حیات طیبہ اور اخلاق حسنہ کی بنیاد ہے، جو فکر کی تصحیح کرتا ہے اور سیرت سازی کا فرض انجام دیتا اور جس کے نتیجے کے طور پر آدمی اللہ کی ذات سے قریب تر آجاتا ہے۔ اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ میں۔ ''عالم میں خاک کی طرح تحمل پیدا ہو جاتا ہے۔ تکبر کا نشان بھی نہیں رہتا۔ علم جیسے جیسے زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ کا خوف، تواضع اور انکسار زیادہ ہوتا جاتا ہے''۔

☆☆☆☆☆